Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

برصغیر میں اسلامی تہذیب کا زوال: سلیم احمد کے افکار کا تعارف و تنقیدی جائزہ

The Decline of the Islamic Civilization of Sub-Continent- A crtical Analysis of the Ideas of Saleem Ahmad

1. **Dr. Muhammad Awais Shaukat,**
   Director Academics, Ehya Education Services, Lahore
2. **Dr Humaira Ahmad,**
   Associate Professor, Department of Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Lahore
3. **Muhammad Izhar ul Haq**
   M.Phill Islamic Thought and Civilization, University of Management and Technology, Lahore

ABSTRACT

The degrading and declining state of Muslims of the Subcontinent and their ideological crisis have been a topic of recurring debate and discussions among several Muslim scholars, including Sir Sayyed Ahmad and Allama Muhammad Iqbal and modern-day scholars such as Hasan Askari and Saleem Ahmad. Besides being an excellent prose writer and poet, Saleem Ahmad (1927-1983) is also regarded as one of the eminent Urdu literature critics. Being a prolific researcher, he penned down voluminous scholarly writings on diverse issues related to Islamic civilization in general and in the context of the sub-continent in particular. His writings cover a wide range of subjects ranging from an analysis of social issues to ideological dilemmas of Muslims and also providing strategic solutions to these multifaceted issues. While addressing the downfall of Muslims of the subcontinent, he had expressed his grief and concerns for ignoring their heritage and roots of Islamic civilization. His refutation of western civilization is not purely academic, however, he establishes strong logical arguments based on an in-depth understanding of Islamic civilization. The strong criticism of the modern concept of man rooted in western ideology has been pivotal in his essays and writings. This article covers the fundamental ideas of Saleem Ahmad written on the degrading state of Muslims of the sub-continent. It is almost impossible to cover the breadth of Saleem Ahmad in one article of the limited length of words, however, it has been tried to shed light on his thoughts related to the downfall of Muslims of the sub-continent.

Keywords: *Saleem Ahmad, Sub-Continent, Concept of Man, Islamic Civilization, Muhammad Iqbal, Sir Sayyed Ahmad Khan*

تمہید

سلیم احمد کا شمار اردو کے ممتاز ترین نقادوں میں ہوتا ہے۔ وہ اس فکری روایت کے امین بلکہ اس کو آگے بڑھانے میں پیش پیش رہے جس کی بناء پروفیسر محمد حسن عسکری جیسے ممتاز صاحبان علم نے رکھی تھی۔ لیکن ادبی نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ پائے کے شاعر، اور بلند مرتبہ نثر نگار تھے۔ اسی طرح بحیثیت دانشور و محقق بھی انھوں نے بہت سے موضوعات پر اعلیٰ علمی و ادبی مضامین لکھے۔ اسلامی تہذیب، اس کے اجزائے ترکیبی، اس کے ادبی و جمالی پہلو، ہندوستان کے مسلمونوں کا تہذیبی زوال، جدید مغربی تہذیب کا ہمہ گیر استیلاء ایسے موضوعات ان کا خاص موضوع تھے اور اس حوالے سے بہت فکر انگیز کام ان کے ہاں ملتا ہے۔ وہ ایک مذہبی راہنما تو نہ تھے کہ ان موضوعات پر فتوٰی کا اسلوب اختیار کرتے لیکن ان کا تناظر کلیتاً اسلامی تھا اور ان کی تحاریر کا مطالعہ کرتے گاہے یہ خیال گزرتا ہے کہ جیسے کوئی روایتی مذہبی آدمی کلام کر رہا ہو۔

ان کے ہاں بیان کیے گئے موضوعات کا کینوس بہت وسیع ہے اور بہت سے منفرد اور بعض اوقات متضاد مضامین پر بھی وہ اس مضمون کے ماہر کی طرح کلام کرنے پر دسترس رکھتے تھے۔ ان کے افکار میں ہندوستان میں مسلمانوں کے ہمہ گیر زوال کا نوحہ بھی ہے، ان کے سماجی اور معاشرتی مسائل کا تجزیہ بھی اور ان کی فکری الجھنوں کا مطالعہ بھی۔ اور ان سب نتائج فکر کو وہ بہت مربوط اور مرتب انداز میں اس طور آگے بڑھاتے ہیں کہ بات تجزیے سے آگے بڑھ کر تالیف اور مستقل لائحہ عمل کی بنیادیں فراہم کرنے تک پہنچتی نظر آتی ہے۔ ان کے تجزیہ کی پختگی اور نظر کی گہرائی کے نمونے جابجا ان کے مضامین میں ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ جیسے مثال کے طور پر ان کے ہاں بات صرف اس قدر ہی نہیں تھی کہ مسلمان غلام ہوگئے یا وہ جدید مغربی تہذیب سے متاثر ہوتے چلے جا رہے ہیں بلکہ یہ کہ صورتحال اس قدر گھمبیر ہے کہ مسلمان اپنے محسوسات اور اقدار تک میں اپنی تہذیب سے دستبردار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں ان کے دلائل علمی بھی ہیں اور مشاہداتی بھی۔[1] خاص طور پر وہ ادب کو قوم کے مجموعی طرز احساس کا آئینہ دار قرار دیتے ہو اس کے موضوعات اور اسالیب میں ہونے والی تبدیلیوں کو اس کی دلیل کے طور پر جابجا پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تصویر اور ٹیلی ویژن کے حوالے سے ہمارے روایتی

---

[1] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد** (مرتب، جمال پانی پتی) (کراچی: اکادمی بازیافت، 2009ء)۔

Saleem Ahmad, Mazameen-e-Saleem Ahmed (Compiled,Jamal Pani Patti), (Karachi: Academy BaazYaft, 2009).

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

مذہبی حلقوں میں ایک دور میں حلال و حرام کی بحثیں زور و شور سے ہوتی رہی ہیں۔ سلیم احمد صاحب بھی اس پر کلام کرتے ہیں لیکن ان کی دلچسپی اس کے سماجی، تخیلاتی، جمالیاتی اور نفسیاتی اثرات کی طرف زیادہ کھائی دیتی ہے۔ غرض پچھلی صدی میں ہمارے یہاں ہونے والی نظریاتی بحثوں میں سلیم احمد صاحب نے بھرپور حصہ لیا اور روایت کا نقطہ نظر واضح کرنے والوں میں پیش پیش دکھائی دیئے۔

اس مقالے میں برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تہذیب کے زوال کے حوالے سے ان کے افکار کا جائزہ لیا جائے گا۔ جس طرح اوپر اشارہ کیا گیا کہ سلیم احمد صاحب کے نزدیک اسلامی تہذیب کا موجودہ زوال اتنا ہمہ گیر اور ہمہ پہلو حیثیت کا حامل ہے کہ اس نے ایک عام مسلمان کو بحیثیت انسان اپنے مادہ بشری میں ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ اب انسان ادھورا انسان بن چکا جس میں ماضی جیسی جامعیت رہی ہی نہیں۔ اسکی تعلیم اب پیسے کمانے کی صلاحیت حاصل کرنے کا پروگرام ہے۔ اس کا ادب انسان کی قلبی واردات اور ادراک کے اظہار سے زیادہ ایک مشین کی تفریح کو پورا کرنے والا ایک آلہ ہے۔ اس انسان کا مطمع نظر مادہ سے باہر نکلنے پر تیار ہی نہیں ہوتا۔ یہ اور اس جیسے دیگر عوامل ہیں جن کی وجہ سے اسلامی تہذیب اپنی تاریخ کے سنگین ترین زوال کا شکار ہو چکی ہے۔ سلیم احمد کے انھیں افکار کا مطالعہ اس مقالے کا موضوع ہے۔ کیونکہ یہ موضوع بہت وسیع ہے اور سلیم احمد نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اس لیے ہم اپنے مقالے کی بناء ان کی چند نمائندہ تحاریر پر رکھتے ہوئے پہلے حصے میں ان کی تفہیم مغرب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے اور دوسرے حصے میں سلیم احمد کے ان افکار کا مطالعہ کریں گے جن میں وہ یہ جائزہ لیتے ہیں کہ مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب اور برصغیر کے مسلمان مفکرین کو کس کس طرح متاثر کیا اور اب صورتحال کیا بن چکی ہے۔

اس موضوع پر کام کرنے کی اہمیت اس حوالے سے واضح ہے کہ ہمارا سماج اس وقت فکری انتشار کا شکار ہے اور مکالمہ اور افہام و تفہیم سے دوسرے نقطہ نظر کو دیکھنا متروک ہوتا چلا جا رہا۔ معاشرہ تیزی سے ایسے مخالف اقطاب میں تقسیم ہو رہا ہے جہاں ایک مکتبہ فکر کے ہیرو دوسرے کے ولن ہیں اور دوسرے کے ولن پہلے کے ہیرو۔ اور ہر دو طبقات ایک دوسرے کو جاہل مرکب سے کم حیثیت دینے پر تیار نظر نہیں آتے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اسلامی تہذیب جس کے زوال کا نوحہ پچھلی صدی میں بہت سے مخلصین امت سناتے رہے ہیں اب تو جیسے بالکل ہی روپوش ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اسلام کیا ہے، وہ سماج پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے، اجتماعی و انفرادی زندگی کیسے مذہب کی روشنی میں تشکیل پاتی ہے اور کیونکر مذہب کا دیا گیا تناظر عالم (ورلڈ ویو) تہذیب کے مختلف مظاہر میں متشکل ہوتا ہے، جیسے مضامین پر سنجیدہ غور فکر کی ضرورت آج پہلے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ہم اس وقت جس دنیا میں رہ رہے ہیں اس میں سچائی، اقدار، حقیت کا مابعد الطبعاتی ہونا اور کسی الہام وغیرہ کا پابند ہونا مشکوک قرار دیا جا چکا ہے اور مابعد از جدیدیت نے تو گویا ان چیزوں کو بالکل ہی داخلی اور علاقائی بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسے میں روایتی اسلامی تہذیب کی بازیافت اور اس کے اسلامی اور غیر اسلامی حصوں کو دریافت کرنا علم و تحقیق کا ایک اہم میدان ہو سکتا ہے اور اس کٹھن کام کی انجام دہی میں جو لوگ ہماری مدد کر سکتے ہیں سلیم احمد ان میں سر فہرست کھڑے نظر آتے ہیں۔

لٹریچر ریویو

اس مقالے کی تیاری میں بنیادی کتاب تو سلیم احمد کے مضامین ہی ہیں جن کو یکجان کر کے کتابی صورت میں بھی شائع کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ان کی شاعری بھی ان کے افکار ہی کا عکس ہے تو "کلیات سلیم احمد" بھی اس حوالے بنیادی ماٰخذ کی حیثیت رکھتی ہے ۔ [2]اسی طرح مجلہ "روایت" جو کہ مکتبہ روایت کا ایک نمائندہ مجلہ ہوا کرتا تھا کے ۲ خصوصی شمارے صرف سلیم احمد پر تھے تو ان سے بھی اس کی تیاری میں استفادہ کیا گیا ہے۔ پھر بہت سے محققین نے سلیم احمد پر، ان کے افکار پر قیمتی کام کیا ہے تو وہ بھی پیش نظر رہا۔ Daanish.pk جو کہ ایک معروف ویب سائٹ ہے[3] پر بھی سلیم احمد صاحب کے حوالے سے کافی مضامین موجود ہیں۔ ثانوی ماٰخذ میں جدید اسلامی مباحث کے حوالے سے پچھلی صدی کے نمایاں مفکرین کے کام سے بھی استفادے کی کوشش کی گئی ہے۔ شیخ محمد اکرام کی "موج کوثر"[4]، اکبر الہ آبادی کی شاعری، "خطبات اقبال نئے تناظر میں" از سہیل عمر، "[5]اقبال۔ چند نئے مباحث" از ڈاکٹر تحسین فراقی، "[6]مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ" از ڈاکٹر سید عبداللہ، [7]ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتب " قرآن اور علم جدید"،

---

[2]سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**(مرتب، جمال پانی پتی) (کراچی: اکادمی بازیافت، 2009ء)۔

Saleem Ahmad, Mazameen-e-Saleem Ahmed (Compiled, Jamal Pani Patti) (Karachi: Academy BaazYaft, 2009).

[3] Daanish.pk, Accessed on , 25/11/21, Time: 06: 11 PM.

https://daanish.pk/?s=%D8%B3%D9%84%DB%8C%D9%85+%D8%A7%D8%AD%D9%85%D8%AF

[4]شیخ محمد اکرام، **موج کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1975ء)

Sheikh Muhammad Ikram, **Mauj-e-Kauthar** (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1975).

[5]محمد سہیل عمر، **خطبات اقبال نئے تناظر میں** (لاہور: اقبال اکیڈمی، 1996ء)۔

Muhammad Suhyel Umar, **Khutbat-e-Iqbal Nay Tanazur Main**(Lahore: Iqbal Academy, 1997).

[6]تحسین فراقی، **اقبال چند نئے مباحث** (لاہور: اقبال اکیڈمی، 1997ء)

Tehseen Firqai, **Iqbal Chand Nay Mubahis** (Lahore: Iqbal Academy, 1997).

[7]ڈاکٹر سید عبداللہ ، **مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ** (لاہور: بزم اقبال، 1999ء) ۔

Dr Syed Abdullah, **Mutala e Iqbal ky Chand Nay Rukh** (Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1999).

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

"Ideology of the Future"[8]، "اسلامی تحقیق مدعا، مفہوم اور طریقہ کار"[9] وغیرہ سے استفادہ کیا جائے گا۔ "وقت کی راگنی" جو کہ حسن عسکری[10] کے مضامین کا مجموعہ ہے بھی موضوع کے حوالے سے مفید مضامین اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

مغرب میں چونکہ مطالعہ تہذیب اکیڈیمیا میں بہت فروغ پاتا ہوا موضوع ہے لہٰذا اس حوالے مغربی مفکرین کے کام سے استفادے کی بھی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔ سلیم احمد صاحب کے ہاں نٹشے، سارتر، کارل مارکس اور جدیدیدیت و مابعد از جدیدیت کے نامور مفکرین پر نقد بہت سے مضامین میں موجود ہے لہٰذا ان مفکرین کی کتب سے ان افکار کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

منہج تحقیق

بنیادی طور پر مقالے کا مقصد چونکہ اسلامی فکر و تہذیب سے دلچسپی رکھنے والے محققین کو سلیم احمد جیسے بلند پایہ محقق کے افکار سے روشناس کرانا ہے اس لیے بنیادی طور پر اس کے لیے مواد سلیم احمد صاحب کے ہاں سے ہی اخذ کیا گیا ہے۔ مزید برآں سلیم احمد صاحب کے کام کا یہ پہلو بیشتر اہل علم کی نظروں سے اوجل ہے لہٰذا اس کی تفہیم کے ایک طالبعمانہ سعی کی گئی ہے۔ مغربی مفکرین نٹشے، سارتر، مارکس کے افکار کے مطالعے کے لیے اس موضوع پر کتب کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز جدید مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں اور دور حاضر تک آنے میں اس کی تشکیل میں حصہ لینے والے عناصر اور تحریکوں جیسے عقل پرستی، حسیت، سائنسی انقلاب، اصلاح مذہب وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔

مقالہ کی تیاری میں سابقہ موجود کتب سے Discourse Analysis کے طریقہ کے تحت راہنمائی لی گئی ہے جو کہ Qualitative Research Method کا ایک طریقہ ہے۔ حوالہ جات کے لیے شکاگو مینوئل کے طے کردہ معیارات کو استعمال کیا جائے گا۔

سلیم احمد کے تہذیبی افکار

سلیم احمد کے تہذیبی افکار کا مطالعہ دو جہتوں سے کیا جا سکتا ہے تاکہ ہمارے موضوع جو کہ برصغیر کی اسلامی تہذیب کے زوال سے متعلق سلیم احمد کے افکار کے مطالعہ سے متعلق ہے کی ممکن حد تک تفہیم ہو سکے۔ پہلی جہت تو سلیم احمد صاحب کے ان افکار کے جائزہ پر مبنی ہے جو وہ مغربی تہذیب کے حوالے سے رکھتے تھے۔ دوسرے حصے میں اس تہذیب کے برصغیر کے مفکرین پر اثرات کا جائزہ سلیم احمد کی تحاریر کی روشنی میں لیا جائے گا۔

مغربی تہذیب اور سلیم احمد

دلوں میں درد بھرتا آنکھ میں گوہر بناتا ہوں
جنہیں مائیں پہنتی ہیں میں وہ زیور بناتا ہوں
غنیم وقت کے حملے کا مجھ کو خوف رہتا ہے
میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں

سلیم احمد

مغرب میں احیاء العلوم کے بعد جو علمی روایت پروان چڑھی اس میں وحی کو بحیثیت ایک ذریعہ علم کے کچھ بھی مقام حاصل نہیں۔ اس علمی روایت میں مستند ذرائع علم فقط دو ہی ہیں۔ ایک کو عقلیت (Rationalism) اور دوسرے کو حسیت (Empiricism) کہا جاتا ہے۔ ریشنلزم کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ علم کا اصل مآخذ عقل انسانی ہے جو انسان کو فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی معلومات اور حسی مشاہدے سے علم حاصل کرتی ہے۔ یہ نظریہ قدیم یونانی فلاسفہ جیسے سقراط، افلاطون اور جدید فلاسفہ جیسے ڈیکارٹ کے ہاں کارفرما رہا ہے۔[11] جب کہ اس کے برعکس Empiricism کا نظریہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ بھی سیکھتا ہے وہ اپنی حسیات (Sense) سے ادراک کرتا ہے۔ اور یہ انسان کی پانچ حسیات (Five senses) کائنات کو جاننے کے لیے ضروری اور مددگار ہیں۔ موجودہ مغرب صرف حواس خمسہ سے حاصل معلومات و حقائق کو ہی علم قرار دیتا ہے۔ جبکہ دیگر ذرائع بشمول وحی، حتی کہ عقل بھی اب وہاں مستند ذریعہ علم نہیں۔ آکسفورڈ ڈکشنری کی بیان کردہ "علم" کی تعریف کے مطابق:

> "Facts, information and skills acquired through experience or education, the theoretical or practical understanding of a subject"[12]

تو اس تعریف میں بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ اصل علم اب ان کے ہاں "حسی مشاہدہ" یا Empiricism ہے۔ سائنسی تحقیقات کی روشنی میں جو علمی فضا تخلیق ہوئی اس میں مذہب سے نفرت اس کی بنیادوں میں شامل ہے اور اس بات پر تقریباً اتفاق کر لیا گیا ہے کہ تمام مذاہب علم اور ترقی کے دشمن اور انسانی تاریخ کے تاریک ادوار کی یادگار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جدید نظریہ علم (Epistemology) مذہبی علم اور

---

[8] ڈاکٹر محمد رفیع الدین، **قرآن اور علم جدید** (لاہور: اقبال اکیڈمی پاکستان، 1982ء)

Dr Muhammad Rafiuddin, **Qur'an aur Ilm e Jadeed** (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1982).

[9] Dr Muhammad Rafiuddin, **The Ideology of the Future** (Lahore: Dr Rafi Uddin Foundation, 2008).

[10] حسن عسکری، **وقت کی راگنی** (لاہور: مکتبہ محراب، 1979ء)۔

Hassan Askari, **Waqt ki Raagni** (Lahore: Maktaba-e-Mehrab, 1979).

[11] Richard Tarnas , *The Passion of Western Mind* (London: Random House, 1991), 112-156.

[12] Oxford Advanced Learner, 9th Edition (London: Oxford University Press, 2005)

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

عقیدہ کو کچھ بھی علمی حیثیت دینے پر تیار نہیں۔ یوں علم بالوحی کا انکار کر دیا گیا اور صرف علم بالحواس ہی کو اصل علم کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مغربی فکر و فلسفہ کے زیر اثر جو ورلڈ ویو تشکیل پایا اس نے مذہبی حقائق کی پوری عمارت کو مسمار کر دیا اور بنیادی دینی عقائد کی جگہ کچھ نئے نظریات نے لے لی۔ چنانچہ حقیقت مطلقہ خدا کے بجائے کائنات، حیات اخروی کی جگہ دنیاوی زندگی، علم وحی کی جگہ حسی ادراک و عقل نے لے لی اور انسان جو اشرف المخلوقات سمجھا جاتا تھا، اس درجے سے گر کر محض ایک ترقی یافتہ حیوان قرار پایا جس کی زندگی کا واحد مقصد اپنی خواہشات کی تسکین یا زیادہ سے زیادہ اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانا ہے۔ نیز سائنس کی حیثیت اس مہابیانیے (Meta Narrative) کی ہو گئی جو تمام تصورات و علوم کی حیثیت اور ان کی حقانیت و عدم حقانیت کا تعین کر سکے۔

سلیم احمد اس جدید مہابیانیے سے شدید اختلاف رکھتے ہیں لیکن وہ براہ راست مغرب کے افکار کا علمی (ایکیڈیمک) قسم کا علمی رد نہیں کرتے۔ جیسے ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے افکار میں ہم دیکھتے ہیں کہ براہ راست مغربی مفکرین کے بعض افکار کا علمی رد کیا گیا ہے لیکن سلیم احمد کا اسلوب اور طریقہ کار اس سے الگ ہے۔ وہ مغرب کے رد میں جو استدلال قائم کرتے ہیں اس کی بنیاد ان کا مشاہدہ، روایت سے لگاؤ، اپنی تہذیب کا فہم، ادب جیسے عناصر ہیں۔ ان کی بنیادی اٹھان چونکہ ادبی تھی اور وہ خود ایک اچھے شاعر بھی تھے لہٰذا الفاظ کا درست اور بلیغ استعمال وہ بہت خوبی سے کرتے ہیں اور چند لفظوں یا جملوں میں مخالف نقطہ نظر کے تار و پور بکھیرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے دلائل میں بلا کی کاٹ اور اسلوب میں موجود طنز ان کی ادبی چاشنی سے مل کر ایک ایسا مرکب تشکیل دیتی ہیں کہ پڑھنے والا نسبتاً ثقیل موضوعات پر پڑھتے ہوئے بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ان کی تنقید سخت ضرور ہوتی ہے لیکن کبھی بھی غیر مہذب نہیں ہوتی، ایسی کہ جس سے طبیعت میں تکدر پیدا ہو اور کوشش کر کے بھی ان کی تحریر سے کوئی ہلکا لفظ جو انھوں نے استعمال کیا ہو، دکھایا نہیں جا سکتا۔

مغربی تہذیب کی تفہیم میں ان کا بنیادی نقطہ جس کے گرد ان کی فکر گھومتی ہے وہ مغرب کا تیار کردہ انسان ہے۔ جدید انسان ان کے نزدیک ایک ایسا روبوٹ ہے جس کی پیدائش ہی غیر فطری ہے۔ یعنی جو چیزیں اور عوامل ایک انسان کو فطری طور پر پروان چڑھایا کرتے تھے اب ان کو ختم کر کے ان کی جگہ نئے ٹکسال قائم کیے جا چکے جس میں جدید انسان تخلیق کیے جا رہے ہیں۔ شاعری میں بھی یہ مضمون سلیم احمد کے ہاں موجود ہے اور نثر میں بھی۔ اس نظم کو اس حوالے سے مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے:

کارِ تخلیق میں ڈالا ہے مشینوں نے خلل
رحمِ مادر کی جگہ ڈھال کے رکھ دی بوتل
مرد نامرد ہیں اس دور کے، زن ہے نازن
اور دنیا کی ہر اک شے ہے اسی کا سمبل
شیر پستاں میں نہیں بیج ہوئی ہے بے رس
طفل گہوارے میں بستر پہ ہے شوہر بے کل
جمع تفریق میں گو طاق ہے جفتی کی مشین
کیجیے کیا کہ غلط آتا ہے پھر بھی ٹوٹل
زور وہ اور ہے پاتا ہے بدن جس سے نمو
لاکھ کو دے کوئی ٹانگوں میں دبا کر موسل [13]

ادھر تو ظریفانہ اسلوب ہمیں دکھائی دیتا ہے لیکن اس حوالے سے اپنے مضامین میں جابجا انھوں نے سنجیدہ اور علمی اسلوب میں اس نکتے کو نمایاں کیا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے مضمون ''نیا عہد نامہ۔باب پیدائش'' میں رقمطراز ہیں کہ ''آدمی کی پیدائش کا صحیح فطری طریقہ یہ ہے کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو۔ لیکن نیا آدمی مغرب کے دماغ سے پیدا ہوا ہے''[14]۔ ملاحظہ ہو کہ ایک جملے میں کس قدر بلاغت سے انھوں نے روایتی انسان اور جدید انسان کے تصور کو بیان کر دیا۔ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا ایک مطلب اپنی تہذیب، اپنی مٹی اور اپنی اقدار کو اہمیت دیتے ہوئے بڑھنا ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ بڑھوتری اور ترقی کا یہ عمل فطری انداز میں آگے بڑھتا ہے۔ اسے طریق پر فرد جب بے علمی سے علم کا سفر کرتا ہے تو اس کا آگے کی طرف اٹھتا ہر قدم اس کے اصل اور اس کی بنیاد کو اثبات دیتا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی جگہ اختلاف بھی ہو تو وہ اپنی روایت ہی میں رہتے ہوئے اس کا تدارک کرے گا نہ کہ اس کی کامل نفی کر کے۔ اس کے برعکس جو انسان مغربی تہذیب نے پیدا کیا ہے وہ دماغ سے اور وہ بھی مغرب کے دماغ سے پیدا ہوا ہے۔[15] یعنی وہ کچھ عقلی مسلمات اور تجرباتی شواہد سے پورا نظریہ حیات اور نظام اقدار برآمد کرتا ہے۔ اس واحد کسوٹی پر وہ ہر تقدیس کو پرکھتا ہے، حتیٰ کہ عقیدے تک کو اسی سان پر چڑھانے سے اس نے گریز نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دماغ سے برآمد شدہ انسان کا نظریہ حیات ہر روایتی تہذیب اور نظریے کو نگل گیا[16]۔ سلیم احمد اسی کیفیت کو ایک اور مضمون میں یوں بیان کرتے ہیں:

---

[13] سلیم احمد، **کلیات سلیم احمد**، (کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، 2015ء)، ص 723۔

Saleem Ahmed, **Kulliyaat-e-Saleem Ahmed** (Karachi: Rang-e-Adab Publications, 2015), 723.

[14] سلیم احمد، ''نیا عہد نامہ۔باب پیدائش''، **مضامین سلیم احمد**، ص130۔

Saleem Ahmed, "Baab-e-Paidaaish," **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 130.

[15] سلیم احمد، ''نیا عہد نامہ۔باب پیدائش''، **مضامین سلیم احمد**، ص130۔

Saleem Ahmed, "Naya Aehad Nama – Baab-e-Paidaaish," **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 130.

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

"مغربی تہذیب نے ہر اس تہذیب کو جو اس سے مختلف تھی اور صدیوں سے اپنے نام پر قائم تھی، اپنے زہریلے اثر سے اسی طرح ہلاک کر دیا ہے جس طرح قابیل نے ہابیل کو کیا تھا۔ لیکن وہ قابیل ہی کی طرح اس خون ناحق کو چھپانا بھی چاہتی ہے، اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مقتول کی ممی بنا کر اسے تماشا گاہوں میں چلتا پھرتا دکھایا جائے تاکہ کسی کو یہ احساس ہی نہ ہونے پائے کہ وہ قتل ہو چکا ہے"[17]۔

لیکن اس سے یہ مطلب بھی نہیں لینا چاہیے کہ سلیم احمد کو مغرب سے کوئی ذاتی عناد تھا۔ وہ سر تا پا ایک روایتی مذہبی آدمی تھے اور اسی حوالے سے وہ مغربی تہذیب کو اپنے اور اپنی ملت کے لیے ہلاکت خیز قرار دیتے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ:

"ہم واضح طور پر بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمیں مشرق یا مغرب سے کوئی محبت یا مخاصمت نہیں ہے۔ نہ جدید اور قدیم سے ہمارا کوئی ایسا تعلق ہے کہ ہم ایک کے دشمن اور دوسرے کے دوست ہوں۔ ہمارا تعلق صرف حق اور باطل کی تفہیم سے ہے اور اس کے سوا کوئی اور معیار ہمارے لیے فیصلہ کن نہیں ہے۔ ہمارا پورا یقین ہے کہ جدید مغربی تہذیب ایک باطل تہذیب ہے جو تمام روایتی دینی، مذہبی تہذیبوں کی دشمن اور ان کی قاتل ہے اور یہی اس سے ہماری جنگ کی بنیاد ہے"۔[18]

بیسویں صدی کے نصف آخر میں وجودی فلسفہ کے زیر اثر جو فکر پروان چڑھی اس میں انسان کا تصور ایک ایسے وجود کا ہے جو مطلق آزاد ہے اور جو کسی بھی نوع کی پابندی قبول نہیں کرتا۔ ہیومن ازم یعنی انسان کا خود کو ہر چیز سے بالاتر سمجھنا اگرچہ تحریک احیاء العلوم کے زمانے سے ہی سے ایک بنیادی قدر کے طور پر موجود تھا۔ جدیدیت نے اس کو بام عروج پر پہنچا دیا چنانچہ جب نٹشے نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ خدا مر چکا ہے (معاذاللہ) تو وہ گویا اس حقیقت کا بے باک اظہار تھا کہ اب جو انسان اس دنیا پر اپنا تصرف حاصل کر چکا ہے اس کو کسی خدا کی ضرورت نہیں۔ انسان کی حقیقت کا یہ بیان اس کو دوبارہ سے عظمت دینے کی کوشش تھی جس سے وہ جدید دور میں محروم ہو چکا تھا۔ لیکن انسان کے ساتھ روایتی تصور عظمت کی بنیاد اس کا اللہ کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات ہونا تھا جبکہ جدید عظمت جو ہیومن ازم کے نام پر انسان کو دینے کی کوشش کی گئی ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان ہر قدغن سے آزاد ہے اور ہر جوہر سے بڑی صفت انسان کا انسان ہونا ہے۔[19] اس تصور انسان کو سلیم احمد نے کئی پہلوؤں سے تنقید کا نشانہ بنایا اور اسے انسان پرستی قرار دیا۔ یعنی یہ کہ انسان نے اب اپنا معبود خود اپنے آپ ہی کو بنا لیا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

"انسان پرستی کا تصور یہ ہے کہ انسان کائنات کی سب سے بڑی قوت ہے اور ہمہ خیر ہے۔ اسی تصور کا دوسرا جزو یہ ہے کہ بنی نوع انسان ایک وحدت ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کے مساوی ہے۔"[20]

اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"'یہ آئیڈیل اس لیے باطل ہے کہ انسان صرف عظمت اور خیر نہیں ہے بلکہ اس کی فطرت میں پستی اور شر کے عناصر بھی برابر ملے ہوئے ہیں۔'[21]

اسی طرح اپنے مضمون "حالی سے لامتناہی انسان تک' میں حسن عسکری کے بیان کردہ جدید انسان کا سفر نامہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں[22]:

---خدا مر گیا۔ (نٹشے)

----انسانی تعلقات کا ادب مر گیا۔ (لارنس)

---

[16] **روشنی ہے چراغ میں زندہ — مے کشی ہے ایاغ میں زندہ**
جسم و جاں کی اِکائی ٹوٹ گئی — میں فقط ہوں دماغ میں زندہ (سلیم احمد)

[17] سلیم احمد، "تہذیب کا جن،" **مضامین سلیم احمد**، ص255۔

Saleem Ahmed, "Tehzeeb ka Jin," **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 255.

[18] "احمد حاطب صدیقی------------سلیم احمد: جب وہ مرا تو زندہ تھا" accessed on , 7/19/2018, Time: 10 am. http://daanish.pk/26426.

[19] "Existence precedes essence" by by jean paul Sartre, Accessed on 26/11/2021, Time: 05 pm.
http://web.sonoma.edu/users/d/daniels/sartre%20sum.html

[20] سلیم احمد، "کسری آدمی (اسم اول، تصور پرست)،" **مضامین سلیم احمد**، ص140۔

Saleem Ahmed, "Kasri Admi (Ism Awwal- Tasawwur Parast," **Mazameen-s-Saleem Ahmed,** 140.

[21] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص141۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-s-Saleem Ahmed,** 141.

[22] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص161۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-s-Saleem Ahmed,** 141.

Vol.5 No. 2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۔۔۔۔۔انسان مر گیا۔(مالرو)

اپنے مضمون "نیا آدمی اور پرانا آدمی" میں نئے آدمی کا طنزیہ تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں[23]:

نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نیا آدمی

باپ کا نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مغرب کا ذہن

تاریخ پیدائش۔۔۔۔۔۔۔غدر کے بعد کا کوئی سن

تعلیم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔طبیعیات، حیاتیات، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، وغیرہ

پیشہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مشین سازی، بینکاری

مشاغل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تسخیر نفس، تسخیر فطرت

یہ تعارف جدید انسان کے حوالے سے سلیم احمد کی فکر کا ایک جامع بیان ہے۔ کہ وہ پیدا کیسے ہوا، اسکی دلچسپی کیا ہے، تعلیم کیا ہے اور پیشہ کیا ہے۔ اور طنز کی کاٹ ادھر بھی ہم ایک ایک لفظ میں محسوس کر سکتی ہیں۔ نئے انسان کی شخصیت میں موجود افادیت پسندی اور مادہ پرستی کو اس تعارف میں نمایاں کیا گیا ہے اور تخیل، جمال اور احساسات کے حوالے سے چونکہ جدید ذہن یا تو بھاگتا ہے یا اس کی عقل ان کی طرف لگاؤ نہیں رکھتی یا پھر غم روز گار سے اسے فرصت ہی نہیں مل پاتی کہ وہ اپنی ذات کے ان لطیف اور جمالیاتی پہلوؤں کی تسکین کر سکے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں جدید انسان اور جدید معاشروں کی مادہ پرستی و فکری پراگندگی پر بایں الفاظ گرفت کی:

آ کے اب جنگل میں یہ عقدہ کھلا

بھیڑیے پڑھتے نہیں ہیں فلسفہ

ریچھنی کو شاعری سے کیا غرض

تنگ ہے تہذیب ہی کا قافیہ

کھال چکنی ہو تو دھندے ہیں ہزار

گیدڑی نے کب کوئی دوہا سنا

گور خر کی دھاریوں کو دیکھ لو

سوٹ چوپائے بھی لیتے ہیں سلا

لومڑی کی دم گھنی کتنی بھی ہو

ستر پوشی کو نہیں کہتے حیا

شہر میں ان کے جو گزرا تھا سلیمؔ

لکھ دیا ہے میں نے سارا ماجرا[24]

برصغیر کی اسلامی تہذیب پر مغربی اثرات

روایتی اسلامی تہذیب جو ایک مربوط اکائی تھی اور جو اس وحدت میں بے پناہ تنوع کو سمیٹنے کی استعداد رکھتی تھی، سلیم احمد کا بنیادی مضمون تھا۔ ان کے نزدیک یہ تہذیب جب اپنے پورے عروج پر تھی تو اس کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر مظہر سے یہ بات چھلکتی تھی کہ اس کی بنیاد میں جو نظریہ کار فرما ہے وہ اسلام ہے۔ اس بات کو انھوں نے متعدد مقامات پر واضح کیا ہے۔ "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب" کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں لکھتے ہیں کہ " ہند اسلامی تہذیب کے بارے میں کم سے کم لفظوں میں جو زیادہ سے زیادہ بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ وہ ایک مذہبی تہذیب تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تہذیب اساسی طور پر چند عقائد پر قائم تھی جو عبادات، اخلاق اور احکام کے ایک نظام سے وابستہ تھے اور پھر وہاں سے نیچے اتر کر معاشرت اور رہن سہن کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیلات تک پھیلے ہوئے تھے۔ یوں یہ تہذیب ایک مکمل اکائی تھی جو سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، کھانے پینے سے لے کر موت اور پیدائش تک کے سارے اعمال کو ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھی۔"[25]

---

[23] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص134۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-s-Saleem Ahmed,** 134.

[24] سلیم احمد، **کلیات سلیم احمد**،275

Saleem Ahmed, **Kulliyat-e-Saleem Ahmed,** 275.

[25] سلیم احمد، "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب،" **مضامین سلیم احمد**، 256۔

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

کسی بھی زندہ تہذیب میں موجود یہ جامعیت اس کو اس قابل بناتی تھی کہ وہ انسانوں کی عقلی، جسمانی، روحانی، نفسیاتی اور جمالیاتی ضرورتوں کی تسکین کا سامان کر سکے۔ یہ جامعیت ہی انسان کے حقیقی جوہر کی علامت تھی اور روایتی اسلامی تہذیب اس کے جملہ تقاضوں کو پوری طرح اپنے اندر سموئے ہوئے تھی۔ یہ صفت ایک طرح سے ایک کسوٹی تھی جس پر سلیم احمد تمام افکار کو پرکھتے تھے۔ ان کے نزدیک جدیدیت بھی غلط تھی تو اس بنیاد پر کہ اس نے اس جامعیت سے انسان کو محروم کر کے ایک کسری اور ادھورا انسان بنا دیا ہے۔ سلیم احمد اس حوالے سے مغرب کا بوداپن ظاہر کرتے ہیں کہ کیسے اس نے انسان کو اس کی فضیلت سے محروم کر دیا ہے اور اس کے حصے بخرے کر دیئے ہیں۔ اب وہ وحدت موجود ہی نہیں رہی جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ نہ صرف خود کو پہچان سکے بلکہ اپنے مالک کو بھی پہچان سکے۔[26]

وہ ان نظریات سے اختلاف تو رکھتے ہیں اور ان کا بوداپن بھی جابجا بیان کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی دلچسپی کا اصل میدان ان مغربی افکار کے اسلامی معاشروں پر اثرات اور مسلمان مفکرین کا ان کو قبول کرتے چلے جانا ہے۔ انھیں سر سید احمد خان اور حالی جیسی دیو قامت شخصیات سے اختلاف ہے تو اس کی بھی بنیادی وجہ ان مفکرین کا مغرب کی بالادستی کو قبول کر لینا ہے۔ وہ اکبر الہ آبادی سے محبت کرتے ہیں تو اس کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اکبر مغربی اطوار و افکار کے اپنے یہاں قبولیت کے سخت مخالف تھے۔[27]

سر سید احمد خان اور الطاف حسین حالی سلیم احمد کے نزدیک وہ بنیادی شخصیات ہیں جنھوں نے ہندوستان کی مرتی ہوئی اسلامی تہذیب کو دفنانے اور مغربی تہذیب کی قبولیت کی راہ ہموار کی۔ سر سید احمد خان جنگ آزادی سے قبل ہی اس نتیجہ تک پہنچ چکے تھے[28] کہ مسلمانان برصغیر کی بقا کا محض ایک ہی راستہ ہے کہ جدید علوم کو حاصل کیا جائے اور ماضی سے تعلق یکسر ختم کر دیا جائے۔ جنگ آزادی میں ناکامی اور اس کے بعد مسلمانوں کے لیے جب اپنی بقا اور تشخص کو برقرار رکھنا بھی دشوار ہو گیا تو ان کی یہ رائے ایک مکمل فکر میں ڈھل گئی۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

> ”جو شخص اپنی قومی ہمدردی سے اور دُور اندیش عقل سے غور کرے گا کہ ہندوستان کی ترقی... کیا علمی، کیا اخلاقی... صرف مغربی علوم میں اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کرنے پر منحصر ہے۔ اگر ہم اپنی اصلی ترقی چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی مادری زبان تک کو بھول جائیں۔ تمام مشرقی علوم کو نسیاً منسیاً کر دیں (یعنی بھلا دیں، مٹا دیں)۔ ہماری زبان یورپ کی اعلیٰ زبانوں میں سے انگلش یا فرنچ ہو جائے۔ یورپ ہی کے ترقی یافتہ علوم دن رات ہمارے دست مال ہوں۔ ہمارے دماغ یورپین خیالات سے (بجز مذہب کے) لبریز ہوں۔ ہم اپنی قدر، اپنی عزت کی قدر خود کرنا سیکھیں، ہم گورنمنٹ انگریزی کے ہمیشہ خیر خواہ رہیں اور اسی کو اپنا محسن سمجھیں"[29]۔

وہ ان بزرگوں کا احترام اور ان کی جدوجہد کو تحسین کی نگاہ سے تو دیکھتے ہیں لیکن ان کے افکار کو مہلک بھی قرار دیتے ہیں اور سطحی بھی۔ ان کے نزدیک اسلامی تہذیب کے احیا کی کوئی کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک سر سید کے افکار اور ان افکار کی بنیاد پر قائم کیا گیا نظام تعلیم اور اداروں کو مکمل طور پر ختم کر کے ان سے اظہار برأت نہ کر دیا جائے۔ سر سید احمد خان کے حوالے اپنے مضمون ”گڈ بائے ٹو سر سید“ میں رقمطراز ہیں:

> " سر سید بہت بڑے بوتے کا آدمی تھا اور سر سید نے جو کر دیا وہ کسی سے نہ ہو سکا۔ اکبر بھی ساری زندگی مخالفت کرنے کے باوجود مان گئے کہ سید کام کرتا تھا۔ کام کے طریقے، ذرائع اور حدود پر مجھے اعتراض ہے۔ کام کے مقصد اور نیت پر نہیں وہ مسلمانوں کے سچے بہی خواہ تھے اسلام کے حقیقی مصدق تھے۔ البتہ ان کے عمل نے ان کی نیت اور مقصد سے آزاد ہو کر ایسے نتائج پیدا کئے جن سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ مجھے اختلاف ہے بھی مگر یہ اختلاف بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ ایک وقت تھا جب ہمیں ایسے نتائج کی ضرورت تھی۔ ہم نے ان نتائج سے کام لیا اور زندہ رہے۔ زندہ رہے اور جہاد کیا۔ جہاد کیا اور انگریزوں کو نکال بھگایا۔ روح ہندوستان اس جنگ میں ہمیشہ سر سید کے پیدا کیے ہوئے سپاہیوں کی ممنون منت رہے گی۔ میرا اختلاف یہ نہیں ہے کہ وہ نتائج ایک وقت میں کیوں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدا ہونا تاریخی تقاضا تھا۔ اختلاف یہ ہے کہ وہ نتائج اب بھی کیوں برقرار ہیں۔ اب ہم زندگی کی نئی منزلوں میں ہیں۔ ہمیں اب ایک دوسرے طریقہ کار اور حکمت کی ضرورت ہے ہم اب بالکل دوسرے نتائج پیدا کرنے چاہتے ہیں۔ چنانچہ سر سید جو کبھی ہمارے لیے سنگ میل تھے۔ اب سنگِ راہ ہیں۔ اب وہ راستہ نہیں دکھاتے گمراہ کرتے ہیں۔ منزل رسی میں مدد نہیں دیتے۔ رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ تاریخ کا تقاضا ہے کہ

Saleem Ahmed, "Iqbal aur Hind Islami Tehzeeb," **Mazameen-e-Saleem Ahmed, 256.**

[26] سلیم احمد، کسری آدمی (اسم اول، تصور پرست)، "**مضامین سلیم احمد، ص** 139۔

Saleem Ahmed, "Kasri Aadmi (Ism Awwal, Tasawwaur Parast," **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 139.

[27] سلیم احمد، "کیا اکبر تنگ نظر تھے،" **مضامین سلیم احمد، ص** 385 تا 404۔

Saleem Ahmed, "Was Akbar narrow Minded," **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 385-404.

[28] ”ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ اس کی اطاعت اور فرماں برداری اور پوری وفاداری اور نمک حلالی، جس کے سایہ وعاطفت میں ہم امن وامان سے زندگی بسر کرتے ہیں، خدا کی طرف سے ہمارا فرض ہے۔ میری رائے آج کی نہیں بلکہ پچاس ساٹھ برس سے اسی رائے پر قائم ہوں“۔ ضیاالدین لاہوری، **افکارِ سر سید**۔ (لاہور: 2006) ص 242۔

Zia-ud-din Lahori, **Afkar e Sir Syed**.(Lahore: 2006) 242.

[29] ضیاالدین لاہوری، **افکارِ سر سید**۔ ص 207۔

Zia-uddin Lahori, **Afkar-e-Sir Sayyed,** 207.

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اس سنگ راہ کو اکھاڑ پھینکا جائے اس کی اپنی وقتی اور تاریخی اہمیت اور ضرورت کا اعتراف کر کے اس کو ٹھوکر مار دی جائے اور آگے بڑھا جائے۔ سر سید زندہ ہوتے تو مجھے حق الیقین ہے کہ جو لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی تائید کرتے۔ شاید ان میں سے پھر کوئی مسدس مد و جزر اسلام قسم کی کوئی چیز لکھ ڈالتا اور سر سید اسے بھی اپنا وسیلہ نجات بنا لیتے"۔[30]

اس اقتباس میں یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ سلیم احمد کو سر سید احمد خان کے مغرب کے حوالے سے افکار جو ہمارے نظام تعلیم اور ہمارے جدید نظریہ حیات کی بنیاد ہیں سے شدید اختلاف ہے اور وہ ان کی کامل بیخ کنی چاہتے ہیں۔ لیکن وہ ساتھ میں یہ بھی بیان کر دیتے ہیں کہ عام مذہبی لوگوں کی طرح وہ فتوٰی لگا کر سر سید کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کرتے بلکہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سر سید احمد خان کے نتائج فکر ایک دور میں مسلمانوں کے لیے ضروری تھے اور مسلمانوں نے اپنی قومی زندگی میں ان سے بہت کام لیا اور آزادی کی کامیاب جدوجہد کی۔ لیکن اب وہ افکار ہمارے لیے نا صرف یہ کہ کار آمد نہیں بلکہ ہلاکت آفریں بن چکے ہیں۔[31]

سر سید احمد خان اور ان کے مکتب فکر کے بعد اقبال ہیں جو جدید مفکرین میں سب سے نمایاں نام ہیں اور جنھوں نے اسلامی تہذیب اور مغرب کے تعامل کی حدود پر سنجیدہ غور و فکر کیا۔ اقبال کی مغرب کے حوالے سے فکر سر سید احمد خان کی طرح معذرت خواہانہ اور احساس کمتری والی تو نہ تھی لیکن سلیم احمد کے بقول تھی بہر حال جدید ہی کی ایک شکل[32]۔ اقبال اگرچہ مغربی افکار کی ہلاکت آفرینی سے آگاہ دکائی دیتے ہیں اور ان پر شدید تنقید بھی کرتے ہیں۔ سائنس کا یک رخا ہونا، سودی معیشت، مادہ پرستی اور مشینوں کا انسانوں میں فروغ اور ان جیسے کتنے ہی موضوعات ایسے ہیں جن پر اقبال نے سخت تنقید کی ہے۔ لیکن امت مسلمہ کو جدید مغرب کے حوالے طرز عمل کیا اختیار کرنا چاہیے اس حوالے سے سلیم احمد کے بقول اقبال بھی سائنسی طریق اور نظریہ علم کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں[33]۔ سلیم احمد کا یہ دعوٰی اگر ہم خطبات اقبال کو مد نظر رکھ کر دیکھیں تو کچھ ایسا محل نظر بھی نہیں۔ خود اقبال نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ان خطبات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

> I propose to undertake a philosophical discussion of some of the basic ideas of Islam, in the hope that this may, at least, be helpful towards a proper understanding of the meaning of Islam as a message to humanity.[34]

گویا اقبال نے دینی مسلمات کو مروجہ عقلی معیارات کے مطابق بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ ان کے خیال میں اب عقل جدید پرانے طرز استدلال کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اگر جدید معیار کے مطابق دین کو ثابت نہ کیا جاسکا تو دنیا میں دین کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اقبال کی اس کوشش کے حوالے سے ڈاکٹر سہیل عمر مندرجہ ذیل الفاظ میں تبصرہ کرے ہیں:

"اقبال نے تشکیل جدید میں جس نئی الہیات کی بنیاد رکھی ہے اس کے پیچھے اقبال کے دو بنیادی تصورات کام کر رہے ہیں (۱) اقبال یہ جانتے ہیں کہ نیا انسان "محسوس" کا خوگر انسان ہے جسے "اس قسم کے فکر کی عادت ہو گئی ہے جس کا تعلق اشیاء اور حوادث کی دنیا سے ہے"۔ جس سے اقبال یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس انسان سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ایک ایسے منہاج کی ضرورت ہے جو نفسیاتی اعتبار سے اس ذہن کے قریب تر ہو جو گویا محسوس کا خوگر ہو چکا ہے تا کہ وہ آسانی سے اسے قبول کر لے، اقبال کے نزدیک یہ کام اس قسم کے لوگ بالکل نہیں کر سکتے جو عصر حاضر کے ذہن سے بالکل بے خبر ہیں، اور اس لیے موجودہ دنیا کے افکار اور تجربات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے (۲) پرانا طریق کار اس لیے بیکار ہے کہ الٰہیات کے وہ تصورات جن کو اب ایک ایسی مابعد الطبیعیات کے الفاظ و اصطلاحات میں پیش کیا جاتا ہے جو مدت ہوئی عملاً مردہ ہو چکی ہے ان لوگوں کی نظر میں بیکار ہیں جن کا ذہنی پس منظر یکسر مختلف ہے۔ چنانچہ ان دونوں حقیقتوں کے پیش نظر اقبال کہتے ہیں ''ہم مسلمانوں کو ایک یہ بڑا کام در پیش ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر اسلام پر بحیثیت ایک نظام فکر از سر نو غور کریں" اب چونکہ عصر حاضر کے انسان سے وہ انسان مراد ہے جو مغربی تہذیب سے پیدا ہوا ہے اس لیے اقبال کی نئی الہیات کی تشکیل کی کوشش کا حقیقی مقصد مغربی اور اسلامی تہذیب کے درمیان مشترکہ عناصر کی جستجو ہے اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام اور اسلامی تہذیب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے "جو محسوس کے خوگر" انسان کے ذہن کے مطابق نہ ہو"۔[35] فکر جدید کے ہاں علم اب وہی قرار پا سکتا ہے جو حواس خمسہ کی گرفت میں آسکتا ہو۔

---

[30] سلیم احمد، "گڈ بائی ٹو سر سید"، **مضامین سلیم احمد**، ص290۔

Saleem Ahmed, "Goodbye to Sir Sayyed" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 290.

[31] سلیم احمد، "گڈ بائے ٹو سر سید"، **مضامین سلیم احمد**، 284-290

Saleem Ahmed, "Goodbye to Sir Sayyed" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 284-290.

[32] سلیم احمد، "گڈ بائے ٹو سر سید"، **مضامین سلیم احمد**، ص258۔

Saleem Ahmed, "Goodbye to Sir Sayyed", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 258.

[33] سلیم احمد، "گڈ بائے ٹو سر سید"، **مضامین سلیم احمد**، ص260۔

Saleem Ahmed, "Goodbye to Sir Sayyed" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 260.

[34] Allama Muhammad Iqbal، **The Reconstruction of Religious Thought in Islam**, (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Lahore,1989), 13.

[35] سہیل عمر ، **خطبات اقبال نئے تناظر میں**، ص 3۔

Suheyl Umar, **Khutbat-e-Iqbal-Nay Tanazur Main,** 3.

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

اقبال کے اس پراجیکٹ کے حوالے سے سلیم احمد اقبال کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور برملا یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغرب کے ساتھ تعامل کے حوالے سے اقبال کے افکار اپنے پیش روؤں سے علمی اعتبار سے زیادہ مضبوط ہیں[36]۔ لیکن ساتھ ہی وہ اقبال کے اس پراجیکٹ کو اسلامی تہذیب کے لیے اتنا ہی ہلاکت آفریں قرار دیتے ہیں جتنا کہ سرسید احمد کے افکار کو۔ اس حوالے سے مدلل بحث ان کے مضمون "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب" میں موجود ہے۔ ان کے نزدیک، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ اقبال نے اگرچہ مغرب اور سائنس کے حوالے سے سرسید کی طرح معذرت خواہانہ اسلوب تو اختیار نہیں کیا اور مغربی تہذیب کے بہت سے اجزاء پر نقد بھی کی لیکن سائنسی نظریہ علم (Epistemology) کو انھوں نے عقل استقرائی کے استعمال کا حاصل قرار دیا جو ان کے (اقبال کے) نزدیک اسلام نے دنیا کو دی تھی۔ اور اب چونکہ اس کا امام مغرب ہے تو اصل میں یہ مسلمانوں ہی کی گمشدہ متاع ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اقبال بھی سائنس کی بالادستی کو قبول کرتے نظر آتے ہیں تبھی تو وہ اسی سطح کے مطابق دین اسلام کے ابلاغ پر زور دیتے ہیں اور اس مقصد کے لیے ایک جدید علم کلام کی تشکیل ناگزیر خیال کرتے ہوئے اپنے تئیں اس عمارت کی پہلی اینٹ اپنے خطبات کی شکل میں فراہم بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ سلیم احمد کی نظر میں یہ طرز عمل برصغیر کی اسلامی تہذیب پر مغربی اثرات کا اگلا مرحلہ تھا۔[37]

سلیم احمد اقبال کے سچے عاشق اور مدح سرا ہونے کے باوجود، اور ان کی تعریف و توصیف میں بہت کچھ لکھنے کے باوجود[38] اس خاص حوالے سے وہ اقبال سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں۔ عقل استقرائی کی بنیاد اقبال نے قرآن کے اس حکم کو قرار دیا جو انسان کو ہر وقت غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سلیم احمد کے بقول اگر یہی چیز حسی نظریہ علم اور مشاہدے کی بنیاد تھی جس پر سائنسی ترقی کا مدار ہے تو قرآن تو اس غور فکر کا نتیجہ اللہ کی معرفت اور اسکی شکر گزاری تک پہنچنے اور جوہر بندگی کو پہچاننے کو قرار دیتا ہے۔ اس بات کی تصدیق قرآن میں غور و فکر کی دعوت دیتی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ تو سلیم احمد پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ " اقبال نے شاید اس سوال پر غور نہیں کیا کہ عقل استقرائی اپنی فطرت اور منہاج، دونوں کے اعتبار سے نبوت کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے اور اس میں "اب" یا "جب" کا سوال نہیں ہے۔ وہ تو جب بھی بروئے کار آئے گی واردات باطن کی ہر شکل، خواہ وہ کسی زمانے میں بھی رونما ہوئی ہو، آزادی کے ساتھ تنقید کرے گی۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ کسی بھی زمانے کی مافوق الفطرت رہنمائی کو تسلیم نہ کرے گی۔ جیسا کہ مغرب میں عقل استقرائی کی ترقی نے ثابت کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ختم نبوت کی یہ تعبیر درست ہے تو عقل استقرائی کے لیے قرآن کی اتھارٹی بھی باقی نہیں رہے گی۔"[39]

اسی مضمون میں آگے چل کر سلیم احمد یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ حسی مشاہدہ اور محسوسات ہی فضیلت کا معیار ہیں تو اقبال کو پھر قرآن کریم کی ان آیات کی بھی وضاحت کرنی چاہیے جو ظاہر کا پردہ چاک کر کے حقیقت کو نہ دیکھ سکنے والی آنکھ کو اندھا اور ظاہری سننے سے آگے دل سے نہ سننے والوں کو بہرہ قرار دیتی ہیں۔[40]

سلیم احمد کے اسلامی تہذیب کے زوال کے حوالے سے افکار کا ایک بڑا حصہ ان کے ادبی مضامین پر مشتمل ہے۔ اس حوالے سے بھی وہ ہمیں ایک چومکھی لڑتے نظر آتے ہیں۔ اس لڑائی میں ایک طرف وہ حالی اور ان کی نیچرل شاعری[41] کے حوالے سے افکار کو شاعری میں پستی کا در وا کرنے کا ذریعہ گردانتے ہیں۔ دوسری طرف ان کی لڑائی ترقی پسند تحریک سے ہے جن کے ادب برائے نظریہ جیسے تصورات کو وہ ادب کی توہین سمجھتے ہیں[42]۔ تیسری طرف جدید اردو شعراء ہیں جو نظم کو غزل پر فوقیت دیتے ہیں تو سلیم احمد غزل کے سچے مدح سرا کے طور پر سامنے آتے ہوئے پوری نئی شاعری ہی کو ادھورے انسان کی کاوش قرار دے کر برصغیر کی علمی و ادبی فضا میں تہلکہ مچا دیتے ہیں[43]۔ اور چوتھی طرف اسلام پسند ہیں جو ادب کو برقعہ پہنا کر رکھنا چاہتے ہیں اور عاشق معشوق کے قصوں کو شجر ممنوعہ قرار دیتے جب کہ سلیم احمد کے نزدیک عشق انسان کا جوہر ہے۔ اس حوالے سے سلیم احمد سوال اٹھاتے ہیں کہ:

---

[36] سلیم احمد، "مرزا یگانہ کی شاعری، "**مضامین سلیم احمد**، ص 361۔

Saleem Ahmed, "Mirza Yagana's ki Shaeree", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 361.

[37] سلیم احمد، "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب، "**مضامین سلیم احمد**، ص 258۔

Saleem Ahmed, "Iqbal our Hind Islami Tehzeeb" ,**Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 258.

[38] Daanish.Pk, Accessed on, 25/11/2021, Time: 07 pm. http://daanish.pk/16523

[39] سلیم احمد، "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب، "**مضامین سلیم احمد**، ص 263۔

Saleem Ahmed, "Iqbal our Hind Islami Tehzeeb", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 263.

[40] سلیم احمد، "اقبال اور ہند اسلامی تہذیب، "**مضامین سلیم احمد**، ص 263 تا 264۔

Saleem Ahmed, "Iqbal our Hind Islami Tehzeeb ", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 263-264.

[41] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص 35،87،113،149۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 35, 87, 113, 149.

[42] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص 25،86،162،192۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 25, 86, 162, 192.

[43] سلیم احمد، **مضامین سلیم احمد**، ص 25،86،302،349۔

Saleem Ahmed, **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 25, 86, 302, 349.

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

''کیا اسلامی ادب میں بھی عشق یوں ہی ہو گا؟ یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ اقبال کے کلام میں "..... کی گود میں بلی دیکھ کر" جیسی چپچپاتی ہوئی نظم کے سوا حسنِ نسوانی سے اور کسی قسم کا تعلق نظر نہیں آتا۔ چلیے فکری شاعری میں تو یہ دونوں پیر و مرید کام دے جائیں گے مگر حسیاتی شاعری، جذباتی شاعری، نفسیاتی شاعری وغیرہ کے مسائل کس طرح حل ہوں گے؟ اور شاعری کو بھی چھوڑیے، ذرا یہ تو بتائیے کہ افسانے اور ناول کا کیا بنے گا؟ شاعری میں قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت، کا کھپلا بھی کسی نہ کسی طرح چل جاتا ہے۔ لیکن افسانہ اور ناول تو ٹھیٹ انسانی تجربہ چاہتا ہے۔ یہ تو ایسی اصناف ہیں کہ ان کے تقاضے سے مجبور ہو کر ہمارے مولانا شرر نے مجاہدوں اور فاتحوں کو بھی عشق کروا دیے، اور یہ کہتے ذرا نہ شرمائے کہ انھیں فرنگی حسینوں کے وصل کی تمنا کھینچ کھینچ کر جہاد پر لے جاتی تھی۔ طلسمِ ہوش ربا کو ایک نظر دیکھ لیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ عورت کیا چیز ہوتی ہے اور دیوؤں کو پچھاڑنے والے کس طرح کی ایک ایک سسکی پر غش کھاتے ہیں۔''[44]

ادب کے حوالے سے جن ۴ مکاتب فکر سے سلیم احمد کی چومکھی کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر بنیادی اعتراض سلیم احمد کو ان کے تصور عشق ہی پر تھا۔ عشق کے حوالے سے جو کچھ سلیم احمد نے لکھا اس کو پڑھ کر ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ اپنے قلب کی لوح سے پڑھ کر صفحات پر الفاظ ثبت کر رہے ہوں۔ عشق کا انکار ان کو انسان کا انکار لگتا ہے۔ وہ اس کو انسان کی تکمیل اور اس میں ماورائیت (Transcendence) پیدا کرنے کا بنیادی ذریعہ گردانتے ہیں اور اس کو ایسی حقیقت قرار دیتے ہیں جو فرد کو اپنی ذات کی خود غرضی سے نکال کر سماج اور بنی نوع انسان، حتیٰ کہ زندگی کے دائرہ میں لے آتی ہے[45]۔ فرد میں قربانی، کسی بڑے آدرش کی خواہش اور اس کے لیے مر مٹنے کا جذبہ، اس کے لیے درکار قوت ارادی، یہ سب عشق ہی کی بدولت انسان کو ملتے ہیں۔ یہ مضمون چونکہ سلیم احمد کی خصوصی دلچسپی اور ان کے ذوق کا تھا اس لیے جابجا وہ اس حوالے سے کلام کرتے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر اپنے مضامین "عشق اور قحط دمشق" اور "مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ" میں اپنا تصور عشق اور اسکی تہذیبی اہمیت کو خوب واضح کیا ہے۔ اول الذکر مضمون کی بنیاد شیخ سعدی کے مشہور شعر : **چناں قحط سالے اندر دمشق کہ یاراں فراموش کردند عشق**، کو بنایا ہے۔ سلیم احمد کہتے ہیں کہ ہماری تہذیب میں عشق کا جو مقام تھا وہ اس شعر میں سامنے آتا ہے کہ " شیخ کے نزدیک یہ بڑی ہولناک بات ہے کہ زندہ نہ رہ سکنے کا خوف انسانوں کی اکثریت میں اس قوت کو ختم کر دیتا ہے جو اسے زندگی کے وسیع تر اور عظیم تر دائروں میں داخل کر سکتی ہے اور جس کا پہلا تعین یہ ہے کہ وہ بحیثیت نوع کے زندہ رہے۔ اس لیے قحط دمشق کا سب سے بڑا المیہ یہ نہیں ہے کہ سینکڑوں انسان بھوکے رہے یا بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے بلکہ یہ کہ لوگ عشق کو بھول گئے۔"[46] پھر کہتے ہیں کہ " سوسائٹی جب قحط دمشق جیسے ہولناک عذاب سے گزرتی ہے تو اس سے ترک عشق کی سوسائٹی پیدا ہوتی ہے جسکی بنیاد موت یا بھوک کے خوف پر ہوتی ہے یعنی اس سے سوسائٹی کے تمام افراد، زندگی کی تمام وسیع و عظیم شکلوں سے کٹ کر صرف فرد کی محدود زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں"[47]۔ ان چند جملوں میں جس طرح ہیومن ازم اور فرد کی آزاد رہنے پر مبنی بے محابہ خواہش اور اس سے فروغ پاتی سول سوسائٹی، انسانی تعلقات میں زوال اور مادہ پرستانہ و افادی تعلق پر مبنی تہذیب کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے یہ ان کا ہی خاصہ ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ "تہذیبی زندگی میں انسان کا انسان سے تعلق ہی سب کچھ ہے"[48]۔ عشق ان تعلقات میں ایسا خوبصورت جذبہ ہے کہ جس کی بنیاد مفاد پر یا وقتی ضرورت پر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ کوئی جذباتی ابال کا نتیجہ ہوتا ہے بلکہ ایک وجودی چیز ہے جو انسان کی شخصیت کا احاطہ اس طور کر لیتی ہے کہ پھر وہ اپنے گرد و پیش کا ہر معنی اسی سے اخذ کرتا ہے۔ یہ جذبہ روایتی انسان والی تہذیبوں میں اس قدر واضح نظر آتا ہے کہ لوگوں نے دیوان کے دیوان اس پر لکھ مارے۔ سلیم احمد کے بقول "شاعری میں "عشق" ایک تہذیبی قدر ہے۔ یہ ایک علامت ہے جس کے ذریعے انسانی تعلقات کی گہرائی، شدت، خلوص، معصومیت اور پاکیزگی کا اظہار کیا جاتا ہے"[49]۔

غرض سلیم احمد کے نزدیک عشق سے فرار والے انسان پیدا کرنا بھی جدیدیت کی ہی دین ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ جدیدیت کے جو اثرات ہماری تہذیب پر بیان کرتے ہیں ان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان اب میکانکی وجود بن چکا ہے۔

---

[44] Daanish.pk , Accessed on 12/06/2017, Time: 6 pm. http://daanish.pk/6952.

[45] سلیم احمد، "عشق اور قحط دمشق"، **مضامین سلیم احمد**، ص 123۔

Saleem Ahmed, "Ishq aur Qeht-e-Damishq" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 123.

[46] سلیم احمد، "عشق اور قحط دمشق"، **مضامین سلیم احمد**، ص 123۔

Saleem Ahmed, "Ishq aur Qeht-e-Damishq" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 123.

[47] سلیم احمد، "عشق اور قحط دمشق"، **مضامین سلیم احمد**، ص 123۔

Saleem Ahmed, "Ishq aur Qeht-e-Damishq" , **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 123.

[48] سلیم احمد، "عشق اور قحط دمشق"، **مضامین سلیم احمد**، ص 163۔

Saleem Ahmed, "Ishq aur Qeht-e-Damishq", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 163.

[49] سلیم احمد، "عشق اور قحط دمشق"، **مضامین سلیم احمد**، ص 164

Saleem Ahmed, "Ishq aur Qeht-e-Damishq", **Mazameen-e-Saleem Ahmed,** 164.

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

یہاں تک پہنچ کر ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلیم احمد کے نزدیک جدید نظریہ علم، طرز احساس، نظام اقدار ایسا ہے کہ وہ روایت کو کسی طور اور کسی حال میں بھی اپنے اندر سمونے کی گنجائش نہیں دیتا۔ وہ صرف ایک ہی طرح کے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے جو مادی فوائد کی خاطر سرپٹ دوڑتے چلے جانے کو ہی اپنا مقصد حیات بنا لیں اور اس سے آگے کا کچھ بھی مطمع نظر ان کی نظر میں غیر ضروری قرار پا چکا ہو۔ جو دوسرے انسانوں سے صرف مفاد کی خاطر تعلق رکھیں اور مفاد پورا ہو جانے پر ان کی طرف التفات کو کچھ بھی اہمیت نہ دیں۔ عشق جن کے نزدیک بے وقوفی قرار پائے اور قربانی، وارفتگی جیسی صفات کو جو اپنی لغت تک سے کھرچ دینا چاہتے ہوں۔

نتائج

سطور بالا میں سلیم احمد کی فکر کے محض چند پہلوؤں ہی کا مطالعہ کیا جا سکا ہے۔ لیکن اس سے ان کی فکر کی گہرائی اور گیرائی اور روایت و جدیدیت پر ان کی گہری نظر کا اندازہ با آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ مزید براُں انکی اصابت فکر اور قلم پر ان کی گرفت کا کیا عالم تھا یہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ ان موضوعات پر انھوں نے بہت کچھ لکھا اور اسلامی فکر اور روایت کی حفاظت کا محاذ پوری قوت سے سنبھالے رکھا۔ ان کے موضوعات میں تنوع بھی بہت ہے کہ وہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ ان کا کام اس قابل ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جانا چاہیے۔ خاص طور پر علوم اسلامیہ اور اسلامی تہذیب کے طالبعلموں کے لیے ان کے ہاں استفادے کا بہت سا مواد موجود ہے۔

سلیم احمد کو پڑھتے ایک احساس البتہ دامن گیر ضرور ہوتا ہے کہ کیسا بڑا مفکر تھا جس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا تھا لیکن جیسا کے مرتی ہوئی تہذیبوں میں ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی آواز صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوتی ہے[50]۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ سلیم احمد جن لوگوں اور جس فکر کا مقدمہ تمام عمر لڑتے رہے آج ان میں ان کے نام تک سے واقفیت رکھنے والے بھی بہت تھوڑے ہیں۔ خود سلیم احمد نے اپنے آخری دور میں اس مایوسی کا اظہار اپنی بعض تحریروں میں کیا تھا۔ ایسا ہی ایک اقتباس مندرجہ ذیل ہے جس میں ان کا کرب واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے:

"اور کبھی کبھی میں اپنی تنہائیوں میں خود سے کہتا ہوں:"اندھوں کے شہر میں آنکھوں کا عذاب کون برداشت کر سکتا ہے۔" "دیکھنا" کبھی ایک رحمت تھا۔ میرے لیے وہ ایک لعنت بن گیا ہے۔ یہ کیسا وقت ہے کہ پتھروں کے درمیان اگر کوئی آدمی زندہ بھی تھا تو اب وہ پتھر بن جانے کی دعائیں مانگ رہا ہے کیونکہ پتھر کو کم از کم کوئی اذیت تو نہیں ہوتی۔ کبھی میں اپنی اذیتوں کو اپنی زندگی کا نشان سمجھتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ چونکہ میں تکلیف میں ہوں اس لیے زندہ ہوں لیکن اس تکلیف سے کیا فائدہ جو ایک گونگے کرب کے سوا اپنے ہونے کا کوئی ثبوت نہ دے سکے۔"[51]

لیکن اس مایوسی کے باوجود وہ اپنا فرض پوری طرح ادا کرتے رہے اور پوری دیانت داری سے قوم کو اس فکری پراگندگی کا شکار ہونے کے خطرے سے خبردار کرتے رہے جس کا شکار آج ہم پوری طرح ہو چکے ہیں۔ اخری دور ہی کی ایک تحریر میں وہ اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ "اے لوگو! میں تمہیں انتشار کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ لفظ میں تمہاری لوح تقدیر پہ لکھا ہوا دیکھ رہا ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اور تمہارے شہر اور تمہاری بستیاں اور تمہاری اونچی اونچی بلڈنگیں اور تمہارے چمکتے دمکتے بینک اور تمہاری تفریح گاہیں اور تمہارے شبستان سب انتشار کی آندھیوں میں اڑنے والے ہیں۔۔۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی ساری بے حسی اور شقاوت کے ساتھ خزاں کے زرد پتوں کی طرح تیز ہواؤں میں اڑ رہے ہو اور تمہارے گھروں کی بنیادوں اور دیواروں میں بگولے رقص کر رہے ہیں۔ میں خدا سے ایک ایسی آواز چاہتا ہوں جو انتشار کی زبان بول سکے۔ ہمارا وجود اب صرف انتشار ہی کی زبان سمجھ سکتا ہے"۔[52]

غرض یہ کہ سلیم احمد روایتی مفکرین میں ایک بڑا نام تھے اور جو شخص بھی ہندوستان کی اسلامی تہذیب اور اس کے زوال کا مطالعہ کرنا چاہے تو سلیم احمد جیسی دوررس نگاہ شاید ہی کسی اور کے ہاں ملے۔ نہوں نے محمد حسن عسکری کی طرح انسان اور آدمی کے مسئلے کو اپنا موضوع بنایا اور اس میں کئی نئے پہلو اور بہت سے نئے مباحث شامل کیے۔ انھوں نے جدیدیت پر تنقید کی اور اس میں بھی وہ دیگر ناقدین سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس میں جس زاویے سے انھوں نے دیکھا وہ بھی ان ہی کا خاصا تھا۔ انھوں نے جدید انسان کے ادھورے پن پر تنقید کی اور اس کے ادب، جذبات، احساسات، نظام اقدار وغیرہ کو قدیم انسان کے انھیں پہلوؤں سے اس قدر مختلف ثابت کر کے دکھا دیا کہ ان دونوں میں جیسے کوئی مشترک قدر موجود ہی نہ رہی۔ انکی کتاب " نئی نظم اور پورا آدمی" نے پورے برصغیر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کی تنقید میں کوئی اپنا اور کوئی غیر نہ تھا۔ اگر کوئی معیار تھا تو وہ بات جس کو وہ حق سمجھتے تھے۔ انکی لوحِ مزار پر اُن ہی کا لکھا یہ شعر انکی زندگی اور ان کی موت کی کافی حد تک عکاسی کرتا ہے:

ایک پتنگے نے یہ اپنے رقص آخر میں کہا
روشنی کے ساتھ رہئے روشنی بن جایئے

---

[50] شاید کوئی بندہ خدا ادھر آئے　　　صحرا میں اذان دے رہا ہوں (سلیم احمد)

[51] طاہر مسعود نے سلیم احمد کی کالم نگاری کی انفرادیت اور ان کالموں میں موجود کرب کا جائزہ اپنے مضمون "اردو کالم نگاری اور سلیم احمد" میں لیا ہے۔ یہ دونوں اقتباسات اسی سے لیے گئے ہیں۔ دیکھئے **بیاد سلیم احمد**، "روایت نمبر ۳ " (مرتبین محمد سہیل عمر، جمال پانی پتی)، (لاہور، مکتبہ روایت، 1986ء) ص424۔

Beyad e Saleem Ahmad ,"Rewayat no 3" ,(compiled, Muhammad Suhail Umar, Jamal Pani Patti)(Lahore: Maktba Rewayat, 1986), 424.

[52] **بیاد سلیم احمد** "روایت نمبر ۳ " ص424۔

Beyad e Saleem Ahmad ,"Rewayat no 3" ,424.

Vol.5 No. 2 2022

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

سفارشات

۱۔ سلیم احمد کے افکار کو سنجیدہ تحقیق کا موضوع بنایا جانا چاہیے۔

۲۔ سلیم احمد صاحب کے اسلامی تہذیب کے زوال سے متعلق نظریات اور اس کے مختلف پہلوؤں پر محققانہ تنقید کر کے اس میں موجود گہرائی و گیرائی سے استفادہ کرنا چاہیے۔

۳۔ تفہیم مغرب جو اس دور میں علوم اسلامیہ کے طالب علموں کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے کے حوالے سے سلیم احمد صاحب کی تحاریر نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

۴۔ اسلامی تہذیب کی بازیافت، اس کی تشکیل نو اور اس کے بنیادی عناصر کی تفہیم کے بہت بڑے کام کے لیے سلیم احمد کا کام اساطیری اہمیت کا حامل ہے۔

Bibliography

Abdullah, Dr Syed, **Mutala e Iqbal ky Chand Nay Rukh.** Lahore: Bazm-e-Iqbal, 1999.
Ahmed, Saleem, **Kulliyaat-e-Saleem Ahmed.** Karachi: Rang-e-Adab Publications, 2015.
Ahmed, Saleem**, Mazameen-e-Saleem Ahmed, (**compiled, Jamal Pani Patti). Karachi: Academy BaazYaft, 2009.
Askari, Hassan, **Waqt ki Raagni.** Lahore: Maktaba-e-Mehrab, 1979.
Daanish.pk
Firqai, Tehseen, **Iqbal Chand Nay Mubahis.** Lahore: Iqbal Academy, 1997.
Ikram, Sheikh Muhammad, **Mauj-e-Kauthar.** Lahore: Institute of Islamic Culture, 1975.
Iqbal, Allama Muhammad, **The Reconstruction of Religious Thought in Islam.** Lahore: Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1989.
Lahori, Zia-uddin, **Afkar-e-Sir Sayyed.** Lahore, 2006.
Rafiuddin, Dr Muhammad, **Qur'an aur Ilm e Jadeed.** Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1982.
Rafiuddin, Dr Muhammad, **The Ideology of the Future.** Lahore: Dr Rafi Uddin Foundation, 2008.
Tarnas, Richard, **The Passion of Western Mind**. London: Random House, 1991.
Umar, Muhammad Suhyel Umar, **Khutbat-e-Iqbal Nay Tanazur Main.** Lahore: Iqbal Academy, 1997.